حضرت مولانا عتیق الرحمان سنبھلی*

اے خاصہ خاصان رُسل وقت دعا ہے!

9/11 کے حادثہ پر صدر بش نے اپنے جوابی فوجی عزائم کے اظہار کے لئے ''کروسیڈ'' (Crusade) کا نعرہ لگایا تھا۔ یہ وہ لفظ تھا جو فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف مسیحی یورپ کے دورِ وحشت کی جنگی مہمات کے اس طویل سلسلہ کو یاد دلاتا تھا جو صلیبی جنگوں کے نام سے معروف ہے اور جس کے مدافعت آج کا یورپ نہیں کر پاتا۔ پس اس لفظ پر جب پکڑ ہوئی کہ 'اچھا آپ اسی دورِ وحشت میں لوٹ گئے ہیں؟ تو صدر صاحب نے یقین دلایا کہ نہیں نہیں' انہوں نے یہ لفظ اس تاریخی مفہوم میں نہیں بولا تھا' لیکن یہ لفظ ان معنوں میں موصوف نے بولا ہو یا نہ بولا ہو ان کی ''کروسیڈ'' کے آغاز سے حالات رخ ایسا ہی اختیار کرتے گئے ہیں کہ ''صلیبیت'' کی ایک نئی تاریخ کے آغاز کا اندیشہ پیدا کریں اور اب ڈنمارک سے اٹھنے والے جس کارٹونی فتنہ پر عالم اسلام اس وقت (فروری ۲۰۰۶ء میں) سراپا احتجاج ہے' اس کے مقابل میں پورے مغرب (بشمول امریکہ) نے جس طرح ڈنمارک کے ساتھ بیک آواز یکجہتی کا اظہار کر کے اسے سہارا دیا ہے کہ پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر اگر گمان ایک انداز میں صلیبی مسیحیت لوٹ آنے اور ایک نئی کروسیڈ کا بگل بجا دیئے جانے کا گزرنے لگے تو کیسے اسے بیجا کہا جا سکے گا؟ خدا کرے کہ یہ گمان و اندیشہ غلط ہو' کہ یہ ہماری دنیا کے لئے نیک فال نہیں ہے۔

ڈنمارک سے یکجہتی کے اظہار کی ضرورت کا حوالہ یہ ہے کہ ڈنش حکومت سے جو مطالبہ کارٹونوں کی اشاعت پر معافی مانگنے اور کارٹونوں بنانے اور شائع کرنے والوں کی سزا دینے کیا جا رہا ہے۔ یہ مغرب سے اس کے اصول آزادی زبان و قلم (Freedom of speech) سے دستبردار ہونے کا مطالبہ ہے جبکہ یہ آزادی جدید مغربی سوسائٹی کی وہ قدر ہے کہ اس کی ساری ترقیوں اور کامرانیوں کا راز ہی اس میں مضمر ہے۔ بالکل بجا' مگر یہ آسٹریا نامی ایک ملک بھی تو اسی مغربی دنیا کا حصہ ہے اور آج وہی یورپین یونین کا صدر بھی ہے۔ اس کا یہ رویہ کیونکر مغرب کو قابل قبول ہے کہ ایک برطانوی شہری کو اس نے اس ''جرم'' کے الزام میں قید کیا ہوا ہے کہ وہ یہودیوں کے ''ہولوکاسٹ'' نام ایک ایسے سیاسی ''عقیدہ'' کو بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ جس کا تعلق تاریخ سے ہے؟ یہ صاحب ایک معمر برطانوی مورخ مسٹر

---

* چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم۔ یو۔ کے

ڈیوڈ ارونگ (David Irving) ہیں۔ جن کے خلاف مقدمہ کی سماعت اسی فروری کی ۲۰ تاریخ کو ہونے جارہی ہے۔ اور مزید یہ بھی تو' کہ مغرب اب اپنی دنیا میں اکیلا تو نہیں رہ رہا ہے۔ دنیا کو تو اسی کی ترقیوں نے مشرق و مغرب کے فاصلے مٹا کے اب ایک ایسی ملی جلی بستی میں بدل دیا ہے کہ خود مغرب نے اس کا نام گلوبل ولیج (Global village) رکھا ہوا ہے۔ اس بدلی ہوئی دنیا میں کیسے یہ بات معقول اور (مغرب کی زبان میں) Reasonable ہوسکتی ہے کہ مغرب صرف اپنی قدروں ہی کو دیکھے؟ کیا یہ نئی صورتِ حال اس سے تقاضہ نہیں کرتی کہ دوسروں کے لئے اس واجبی خیال ولحاظ کا رویہ اختیار کیا جائے جسے انگریزوں کی زبان میں Accomodation کہتے ہیں؟ مغرب کو اپنی جس Civility (سماجی آداب) پر بڑا ناز ہے۔ اور بے شک بالکل بے وجہ بھی نہیں ہے' کہ ذرا ذرا سی بات میں ''سوری'' اور ''تھینک یو'' اس کی زبان پر آپڑتا ہے' کیا یہ ناز واقعی اس صورت حال میں بھی بامعنی رہتا ہے کہ دوسروں کے بارے میں اس Civility کے تقاضوں کو ان کے صرف انہیں احساسات تک محدود رکھا جائے جن احساسات میں مغرب کا اور ان کا اشتراک ہے۔ مگر وہ احساسات جن سے مغرب کا دل ناآشنا ہو ان کے لئے کوئی جگہ مغرب کی مایۂ ناز آداب پسندی میں نہ نکل سکے؟

مغرب کو اپنی باخبری پر بڑا ناز ہے۔ اور بے شک وہ اس کا حقدار بھی ہے۔ خاص کر اہل اسلام کے سلسلہ میں تو اس نے وہ اسٹڈی کر رکھی ہے کہ شاید ہی کسی دوسری قوم کو اس کا اتنا حصہ ملا ہو۔ کیا اس کے باوجود اسے اس حقیقت سے بے خبر سمجھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مسلمانوں کی کوئی حس اپنے پیغمبر ﷺ کے بارے میں ان کے احساسات تکریم سے زیادہ نازک نہیں ہے اور یہ حساسیت خود اسلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یعنی وہ مسلمان صرف نام کا مسلمان ہے جسے یہ حس نہ ملی ہو۔ چنانچہ اس حس پر چوٹ میں وہ اپنے ہوش وحواس کھو دینے کی حد تک چلے جاتے اور اپنے غصہ کے اظہار میں بے تکلف جانیں دے ڈالتے ہیں۔ مغرب کی سرزمین کا بہت قریبی واقعہ ملعون رشدی کی ''سیٹانک ورسز'' کی اشاعت کا ہے۔ یاد کرلیا جائے کہ کتنی جانوں کا سودا اس پر مسلمانوں نے کرلیا تھا۔ ایسے احساسات کو بھی Freedom of Speech کی دیوی کی بھینٹ چڑھنے دینا' کیا واقعی اس کی بھی گنجائش کسی سول سوسائٹی کے لئے مانی جاسکتی ہے؟ پھر وہ مغرب کی کونسی مادی اور فکری ترقی ہے جس کے لئے مسلمانوں کے نازک ترین حس سے بے پروائی بہرحال ضروری ہے؟ کچھ پتہ تو ہو ؟

مغرب اپنے تمام رویوں کی بنیاد میں عقلیت واستدلال پسند (Rationalism & Reasoning) کا دعویدار ہے۔ مگر کتنے ہی کھلے ذہن سے اس کارٹونی قصہ میں اس کے رویہ کا تجزیہ کیجئے (جیسا کہ اوپر کی سطروں میں کوشش کی گئی) کہیں سے کہیں تک کوئی معقولیت ہاتھ نہیں آتی۔ پھر اس غیر معقول رویہ کا سرا کیا ہے؟ واقعات کی ترتیب کچھ ایسا ظاہر کررہی ہے کہ یہ سعودی عرب اور لیبیا کی اس ''گستاخی'' کا ردعمل ہے جس کا ارتکاب ان دونوں نے

ڈنمارک سے اپنے سفیر واپس بلا کر کیا ہے۔ یعنی مغرب کے احساس برتری کو کچھ اسی طرح کی ٹھیس اس سے لگی ہے جس طرح کی ٹھیس لگنے کا اظہار امریکہ نے 9/11 کے سلسلہ میں کر کے افغانستان کا نشانہ باندھ لیا تھا۔ لیبیا' جس نے ابھی ذرا ہی پہلے تو سپر ڈالی اور لائن میں لگا تھا۔ اور سعودی عرب' کہ اس سے تو ایسے رویہ کا کبھی وہم ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بھی اسی اسلامیت کے ''چیمپئن'' ہونے کو چل دیئے ہیں جسے مغرب کی بالادستی قبول نہیں!

مغرب کے زیر بحث رویہ کا یہی صحیح آخری تجزیہ ہو یا کچھ اور' ایک چیلنج کی صورت اس نے بہر حال ملت کے لئے پیدا کر دی ہے' خاص کر ملت کے ان حکمرانوں کیلئے جنہوں نے سعودی عرب اور لیبیا جیسا کوئی قدم بھی اب تک نہیں اٹھایا ہے! ایسے حکمرانوں کی سطح پر جو سوچ اب تک سامنے آئی ہے اس کی نمائندگی سب سے زیادہ پاکستانی اور ایک حد تک ملایشائی اور ترکی کی حکومت کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اس حکومتی سوچ کے مطابق راہِ عمل یہ ہے کہ مسلم حکومتوں کی نمائندہ او آئی سی اور یورپ کی یورپین یونین' ان دونوں کی طرف سے مشترکہ طور پر یو این او میں ایسی قانون سازی کا مطالبہ رکھا جائے جس کی رو سے پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین جرم قرار پائے اور پاکستانی اخبارات کے مطابق انکی حکومت کی سطح پر پوری امید ظاہر کی جا رہی ہے کہ یہ تجویز پایہ تکمیل کو پہنچ جائیگی۔ یہ امید اگر واقعۃ پوری ہو جائے تو ہماری حالیہ (ہزیمتوں کی) تاریخ کا ایک معجزہ ہوگا۔ ورنہ میں اسی دو ٹوک بات ہے کہ یورپی کمیشن کے صدر' جوزمینوئل' کا یہ بیان خود انہیں پاکستانی اخبارات میں نظر آیا ہے کہ ''اظہار رائے آزادی کی جمہوری یورپی اقدار میں شامل ہے اس پر مصالحت نہیں ہوسکتی۔ ہم اس بارے میں ڈنمارک کیساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔'' (جنگ ۱۶ فروری) اور اس بیان سے قطع نظر بھی کیا جائے تب بھی یہ امید ہرگز ایسی نہیں کہ ایک معجزہ کی امید سے زیادہ مانی جائے۔

ہمارے خیال میں یہ اپنے حکمرانوں کے فہم و ذہانت کی توہین ہوگی کہ اس تجویز اور امید کے بارے میں انہیں سنجیدہ سمجھا جائے۔ وہ مغربی مزاج اور اس کے ارباب سیاست سے اس قدر ناواقف ہرگز نہیں ہوسکتے۔ ہاں' پاکستان میں ان کارٹونوں پر مظاہروں نے جو ایک کھلا سیاسی رنگ اختیار کر کے اسے انٹی مشرف تحریک کی شکل دے دی ہے۔ یہ تجویز اس کے مقابلہ میں ایک سیاسی شعبدہ بازی اور دفع الوقتی کے طور پر ضرور سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن یہ مظاہرے اپنی شدت کے ساتھ ساتھ کارٹونوں سے متعلق جذبات کے اظہار تک ہی محدود رہے ہوتے تو ذرا بہت گنجائش تھی کہ حکومت اپنی اس تجویز کے کچھ قابل لحاظ ٹھہرائے جانے کی آس باندھے۔ مگر جب مظاہروں کے سب سے بڑے داعی پہلے ہی دن بی بی سی کو انٹرویو میں ان مظاہروں کی شدت کی وجہ کارٹونوں پر غصہ کو نہیں بلکہ مشرف حکومت کی پرو امریکن اور پرو ویسٹ پالیسیوں کو بتائیں تو حکومت کی اس تجویز کا کیا وزن کسی کی نگاہ میں رہ سکتا ہے؟ ۱۴ فروری کے مظاہرے جن میں بے حد توڑ پھوڑ ہوئی اور دو جانیں بھی گئیں' بی بی سی ورلڈ سروس نے رات کے نو بجے کے پروگرام میں ان مظاہروں کی خبر دیتے ہوئے امیر جمعیت اسلامی جناب قاضی حسین احمد سے کیا گیا انٹرویو نشر کیا۔ اسے سنتے ہوئے

حیرانی ہورہی تھی کہ محترم قاضی صاحب اتنے دن سے سرگرم سیاست میں ہیں مگر اس موقع کو مشرف مخالف سیاست میں استعمال کے لئے ایک موزوں موقع کی نظر سے دیکھتے ہوئے وہ گفتگو میں بھی اس کا کھلا اظہار مناسب خیال فرمارہے ہیں! خود انٹرویو کرنے والی خاتون بھی حیران ہوکر کہ مظاہروں کا عنوان تو ڈینش کارٹون ہیں اور قاضی صاحب کی زبان پر اس عنوان کا حوالہ ہی نہیں آرہا' اپنا سوال دہرانے پر مجبور ہوئی تھی (یا کہیے کہ قاضی صاحب کی بات کو پکا کرنے کے لئے اس سے سوال دہرایا تھا) مگر قاضی صاحب کا جواب جوں کا توں رہا۔ وہ یہی کہنے پر مصر رہے کہ قوم مشرف حکومت کی پالیسیوں کے خلاف غصہ ظاہر کررہی ہے اور کیا کہئے' کہ اس ''مشرف'' حوالہ سے وہ توڑ پھوڑ کو بھی خاموش جواز دینے میں مضائقہ نہیں سمجھ رہے تھے۔

بہرحال حکومتی سطح کی یہ سوچ تو محض اپنی بے بسی کا اظہار کہی جاسکتی ہے' ورنہ کرنے کی بات' جس حکومت کے لئے جس درجہ میں بھی ممکن ہو' اسی طرح کا کوئی اقدام ہے جیسا سعودی اور لیبیائی حکومت اور بعد ازاں ایران نے کیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان تین حکومتوں کے اقدام کے بعد اگر بقیہ کی طرف سے ان کے ساتھ کسی بھی درجہ میں یکجہتی کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو یہ بزبان حال اعلان ہوگا کہ عالم اسلام یورپ کے مقابلہ میں کسی بھی معاملہ میں کسی بھی حد تک بھی کھڑے ہونے کی طاقت یا جرأت نہیں رکھتا۔ بلاشبہ عالم اسلام بہ مقابلہ یورپ کمزور ہے۔ اور محض جذباتیت ہوگی کہ اس واقعی صورتِ حال کو نظر انداز کرکے ترکی بہ ترکی والا انداز اختیار کیا جائے۔ مگر یہ ایک اخلاقی معاملہ ہے یہاں عالم اسلام متفقہ مضبوطی دکھائے تو اگر جیت بھی نہ پایا تب بھی خسارہ میں رہنے کا بہرحال خطرہ نہیں۔ یہ تحریر یہاں تک پہنچی تھی کہ آج (۲۱ فروری) کو پاکستانی اخبار The News میں اس مسئلہ پر ایک بہت کارآمد مضمون (Exposing Freedom Myths) نظر پڑا جس نے انسانی حقوق کے حوالہ سے جنیوا کنونشن کے بعض اقتباسات دے کر واضح کیا ہے کہ کنونشن کی ان دفعات کی روشنی میں مغرب کا یہ موقف قطعاً لغو قرار پاتا ہے کہ آزادئ تقریر وتحریر ہر پابندی سے بالاتر حق ہے اور اس لئے اس موقف کو قانونی طور پر چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس ضمن میں مضمون نگار کی مندرجہ ذیل تحقیق تو مسلم موقف کے اخلاقی پہلو کو بالخصوص بہت قوت پہنچانے والی چیز ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ یہ کارٹونوں کا معاملہ فریڈم آف اسپیچ کے دائرہ کی چیز ہے ہی نہیں۔ اس لئے خود اخبار کے بیان (۳۰ ستمبر ۲۰۰۵) کے مطابق یہ کارٹون کارٹونسٹوں کا اپنا آئیڈیا نہیں تھے' کہ اسے ان کا اظہار رائے کہہ کر تحفظ دیا جائے' بلکہ یہ نفرت انگیز آئیڈیا ان کو اخبار نے دیا تھا۔ اس سلسلہ میں مضمون نگار نے اخبار سے حسب ذیل اقتباس پیش کیا ہے: (حاصل اس کا یہ ہے کہ ڈنمارک کے کئی تھیٹر صدر بش کی تضحیک پر مبنی ڈراموں پر ڈرامے اسٹیج کررہے تھے جبکہ بن لادن سے متعلق ایک بھی نہیں۔ پس توازن رکھنے کے لئے ضروری نظر آیا کہ پیغمبر اسلام.....

"In the current season, three theatres have stages satirical plays about George W

Bush, but none have contemplated doing a similar thing about Bin Laden..... In Denmark, if we are not careful, it is posisible for self-sensorship to take on an unpleasant dimension. For this reason Jyllands- Posten has invited members of the Press Painters Association to paint a portrait of Islam's Prophet."

حکمرانوں کے بعد عام ملت کی طرف آئیں تو وہاں اس چیلنج کے جواب میں بالعموم ناراضگی کے مظاہرے ہیں۔ بات ہے ہی ایسی کہ جذبہ بے اختیار اپنے اظہار کی طرف لپکتا ہے' اور بڑا مقدس جذبہ ہے' مگر جتنی بات بے اختیارانہ ہو جائے وہ تو الگ ہے' رہا سوچ سمجھ کے اور پروگرام بنا کے مظاہرے کرنے کا مسئلہ' تو چونکہ امت کے لئے' بدقسمتی سے' یہ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ جب سے شامتِ اعمال سے اس نے طاقت کھوئی ہے شیاطین کو اس کے ساتھ یہ ایک کھیل ملا ہوا ہے۔ اس لئے مظاہرہ کی بات سوچتے ہوئے یہ دیکھنا بھی لازم آتا ہے کہ اس سلسلہ کے مظاہروں کے بارے میں ہمارا اب تک کا تجربہ کیا بتاتا ہے؟ ان مظاہروں میں ہم بالعموم آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے جذباتی تعلق کا ظہار کر کے مجرمین کو ببانگ دہل سناتے ہیں کہ اس طرح کی حرکتیں ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ مگر آگے ہمارے پاس اپنی اس بات کی لاج رکھنے کے لئے کوئی پروگرام نہیں ہوتا' پس دوسرے دن کی زندگی سے ہم ثبوت دے رہے ہوتے ہیں کہ وہ بس ایک جذبہ کی بات تھی ورنہ آگے سب خیر ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ حضور اکرم ﷺ سے محبت کا کوئی اچھا مظاہرہ ٹھہرے گا' یا عشق کو رُسوا کرنے والی بات ہو جائے گی؟ ایک مسلم ملک کے حکمراں کچھ بھی کرتے نظر نہ آ رہے ہوں تو ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہاں کے عوام انہیں مہمیز کرنے کے لئے ایسی خباثتوں کے خلاف پُرزور و بلند آہنگ مظاہروں سے حضور ﷺ کا حق ان حکمرانوں کو یاد دلائیں اور موجودہ کمزوری کے عالم میں یہ ان حکمرانوں کی ضرورت بھی ہو سکتی ہے کہ پبلک دباؤ کا مظاہرہ دنیا کے سامنے آئے۔ رہے وہ مسلمان جو مغربی ملکوں میں بسے ہوئے ہیں ان کی طرف سے بس اس حد تک مظاہرہ ایک موزوں بات ہو سکتی ہے کہ تکلیف واذیت کا اظہار ہو اور ایجکشن ریکارڈ ہو جائے۔ اس سے آگے جذبات کی شدت جو کچھ کہلوانا چاہتی ہے اس شدت کی عزت اسی میں ہے کہ اسے سینہ ہی میں رہنے دیا جائے۔ اور اس کی تشفی کے لئے ان ملکوں کے دستور اور سسٹم کے مطابق راہیں تلاش کر کے اس مقدس جذبہ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ بات صرف لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا کی نہیں ہے۔ حب رسول اور عشق رسول ﷺ کی عزت کی اس سے پہلے ہے۔ عشق و محبت کا کوئی ایک ہی رنگ نہیں ہوتا' ہر موقع کا اپنا الگ رنگ ہے۔

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق　　کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش　　کبھی عریاں و بے تیغ و سنان عشق　　(اقبال)